۱۴۲واں باب

رمضان/شوال ۲ہجری [غزوہ بدر کے بعد اگلے چار ہفتے]

باہم شادی و غم و کشاکش پیہم

۳۲ استقبال کے لیے آنے والے

۳۳ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی جنگِ بدر سے غیر حاضری پر معذرت

۳۴ بنتِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات

۳۵ کعب بن اشرف کا مکہ کا ہنگامی دورہ

۳۷ شہید کی بیوہ کا رشتہ

۳۹ عید الفطر اور صدقۃ الفطر کا جاری ہونا اور فرضیتِ زکوٰۃ

۴۰ مدنی زندگی کے دوسرے برس کی اہمیت

۴۱ مسلمانوں کو پہلی مرتبہ ایک سالانہ تہوار کا تحفہ

۱۴۲واں باب

باہم شادی و غم و کشاکش پیہم

پچھلے ابواب میں بدر سے واپسی پر قیدیوں کا قضیہ چھڑ گیا تھا پھر بنو قینقاع کا معاملہ بہت اہم تھا، اِن دلچسپ اور اہم معاملات پر گفتگو میں مدینے کی زندگی کے بہت سارے گوشے اور معاملات نہ بیان ہو سکے جنھیں اب یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

استقبال کے لیے آنے والے

آپ کو یاد ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے مدینے بھیجا تھا، خوشخبری سن کر لوگ مدینے کی سرحد رَوحاء پر آپؐ کے استقبال کے لیے پہنچ گئے۔ یہاں آپؐ کی مدینے کے سربرآوردہ لوگوں سے ملاقات ہوئی جو اِن دونوں خوش خبری سنانے والے حضرات سے فتح مبارک کی خبر پاکے یہاں آئے تھے اور قریش جیسی زبردست قوم کو مار بھگانے پر تحسین فرمارہے تھے۔ اہلِ بدر [غزوہ بدر میں شریک حضرات] میں سے ایک نوجوان، سلمہ بن سلامہؓ اِن مبارک باد پیش کرنے والوں سے گویا ہوئے کہ یارو، کیسی مبارک باد؟ [کوئی مردِ میداں اور بہادر تیغ آزما لوگوں کو ہم نے تھوڑی مار بھگایا ہے] واللہ، میدانِ بدر میں ہمارا ٹکراؤ تو گنجے سر کے بوڑھوں سے ہوا تھا جو اونٹ جیسے [بے ضرر جانور] تھے۔ نبی اکرم ﷺ اپنی مشرک قوم، قریش کے سرداروں کے بارے میں یہ بات سن کر ہرگز برا نہ مانے اور فرمایا: ارے بھتیجے! یہی لوگ تو قوم کے 'لیڈرانِ گرامی' تھے[۲]۔

سلمہ بن سلامہؓ کا یہ بیان بدر کے میدان سے جان بچا کر بھاگنے والے اور مکے میں اوّلین داخل ہونے والوں

۲ حقیقت یہی تھی کہ اِن سردارانِ قریش کو صبح و شام اور دن رات ہر کوچہ و بازار میں اور ہر مجمع میں اور ہر نکڑ پر اللہ کے رسول نے دعوتِ توحید قبول کرنے کے لیے پکارا تھا، اِن بدبختوں کو اُس کے بدلے میں دنیا اور آخرت کی بادشاہی کی پیش کش کی تھی، اُن کی عقل اپنے نظام [system]، اپنی تہذیب اور اپنی سرداری سے دست برداری پر راضی نہ ہوئی، وہ اللہ کے مقابل پوجے جانے والے اپنے تین سو ساٹھ جھوٹے، خود ساختہ داتاؤں، مشکل کشاؤں، غوثوں، اور دست گیروں سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکے۔ پوری قوم کے قبول ایمان میں قریش کے یہی 'لیڈرانِ گرامی' سدِّ راہ بنے تھے، جن کے بے محابہ قتل پر اُس قوم کا سپوتؐ، نبی آخر الزماں ﷺ ہر گز افسردہ نہ تھا بلکہ میدانِ بدر میں اُن کو قتل کرنے والی ٹیم کا سالارِ اعلیٰ تھا۔

میں سے قریش کے اُس مشرک فوجی اِبن حارث کے بیان سے کس قدر مشابہ ہے جو اُس نے ابولہب کے پوچھنے پر دیا تھا، مکہ میں داخل ہونے پر اُس نے روایت کے مطابق طواف کرنا چاہا تو وہاں موجود ابولہب نے پوچھا کہ بتاو کیا گزری؟ تو اُس نے کہا کہ اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا، ہم نے پیٹھ دکھائی اور اپنے کندھے اُن کے حوالے کر دیے وہ ہمیں جیسے چاہتے تھے قتل کرتے تھے اور انھوں نے جس کو چاہا قیدی بنالیا اور ہمیں مار بھگایا ۔ تاریخ کی کیا ستم ظریفی ہے کہ دونوں کیمپوں میں، دونوں مراکز [مکے اور مدینے] میں، دونوں ہارنے والوں اور جیتنے والوں کے دو مختلف افراد جنگ پر ایک ہی وقت میں ایک ہی جیسا تبصرہ کرتے ہیں، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی جنگِ بدر سے غیر حاضری پر معذرت

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بڑے مخلص اصحاب میں سے ایک تھے، بدر کو جانے والے قافلے میں شامل نہ تھے کیوں کہ نبی ﷺ نے نفیر عام نہیں دی تھی، اور بہت جلدی میں نکلنا ہوا تھا۔ اسیدؓ بھی مبارک باد دینے اور استقبال کے لیے آنے والوں میں شامل تھے، انھوں نے اس طرح کہا کہ: "یارسول اللہ، اللہ کی حمد ہے کہ اس نے آپؐ کو کامیابی اور آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ واللہ! میں یہ جانتے ہوئے میدانِ جنگ سے پیچھے نہ رہا تھا کہ ٹکراؤ دشمن سے ہوگا، میرا گمان تو بس یہ تھا کہ یہ قافلے سے نبٹنے کا معاملہ ہے، اور اگر میں یہ سمجھتا کہ دشمن سے سابقہ پڑے گا تو میں پیچھے نہ رہتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے بیان کی تصدیق فرمائی کہ تم سچ کہتے ہو۔

یعنی تمھاری معذرت قابلِ قبول ہے، تم نمائشی مسلمانوں کی طرح نہیں ہو جنھیں دینِ اسلام کے لیے جدوجہد کرنا اور اہلِ ایمان کی جماعت کے ساتھ چلنا بھاری ہوتا ہے۔

اِسکے برعکس منافقین مہمات پر اور خصوصاً جنگ پر اپنے نبیؐ کے ساتھ نہ جانے پر ہمیشہ جھوٹے بہانے بناتے تھے اور اللہ اپنے نبیؐ کو آگاہ کرتا رہتا تھا کہ اپنے عذرات میں کون جھوٹا اور کون سچا ہے۔ بدر کی فتح سے قریش تو خیر سے کچلے ہی گئے تھے مگر ساتھ ہی یہود اور منافقین بھی ہکا بکا رہ گئے تھے اُن کی ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ وہ اب اس بات کی امید ترک کر بیٹھے تھے کہ محمد [ﷺ] کو اپنے شہر سے جلد نکال کر عبداللہ بن ابی کی قیادت میں مدینے کو وہی پُرانا یثرب بنادیں گے۔ اسی ترکِ امید کا شاخسانہ تھا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ خزرج کے اب تک ایمان نہ لانے والوں [جن کی تعداد سو سے اوپر رہی ہو گی] اور اسلام کے خلاف کدر کھنے والوں کا سردار

عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھی دھڑا دھڑ ایمان لا رہے ہیں۔ اب یہ کھلے دشمن نہیں رہے آستین کا سانپ بن گئے، نبی ﷺ کے لیے مرتے دم تک ایک وبال کی شکل بنے رہے، ساڑھے آٹھ برس بعد تک اِن کی موجودگی ہی نے عمر بن الخطابؓ کو آپ ﷺ کی موت پر یہ گمان کرنے پر مجبور کیا کہ آپؐ نے وفات نہیں پائی بلکہ آپؐ سو رہے ہیں، کیوں کہ ابھی تک سارے منافقین نہیں مٹے ہیں۔ بدر کی برکات میں سے جہاں ایک یہ برکت تھی کہ کفار نے اوپری دل سے کلمہ گوئی شروع کر دی وہیں منافقین کی بڑے پیمانے پر شمولیت مسلم لیڈر شپ کے لیے ایک چیلنج بن گئی، بدر کی برکات نے منافقین کے چیلنج سے نبٹنے کا طریقہ سکھایا، براہِ راست اللہ نے اپنے نبیؐ کے ذریعے جس طرح دعوت توحید سکھائی، کھلے دشمنوں سے جہاد و قتال سکھایا، اسلامی حکومت بنانا اور اُس کو چلانا سکھایا وہیں اُس نے صفوں میں موجود اسلامی ریاست کے قیام و بقا اور اقامت کے مخالفین، منافقوں سے نبٹنا سکھایا، جس کی تفصیلات بعد میں اپنے موقع پر آتی رہیں گی، نبی ﷺ کے عمل اور آپؐ کی سنّت سے پہلا اصول اُن کے یعنی منافقین کے ایمان و اسلام کو تسلیم کرنا معلوم ہوا اور جاننے کے باوجود اُن کو کافر نہیں کہا گیا اور نہ اُن کا اعلانِ ایمان اُن کے منہ پر دے مارا گیا۔ آئندہ سطور میں ہم اُن اہم واقعات کا تذکرہ کرنا چاہ رہے ہیں جو بدر کے بعد ہوئے، اُن میں سب سے پہلا سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ ہے۔

بنتِ رسول عربی ﷺ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات

آپ یہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مسلم فوج جب بدر کے لیے روانہ ہوئی تو اُس کے سپہ سالار، رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا زندگی اور موت کی کشمکش میں تھیں۔ اسلامی ریاست کی بقا اور اُس کے دین کی اقامت کا مشن، لبِ دم بیٹی کی خبر گیری سے زیادہ اہم تھا، چناں چہ نقوش قدم چھوڑنے والا، تا قیامت آنے والے انسانوں کے لیے سنّتوں کا معمار اللہ کی راہ میں قتال کے لیے روانہ ہو گیا، بیٹی کی زندگی سے زیادہ اللہ کے دین کو زندگی ملنا اہم ہے [۳]۔ اور پھر جنگ کے اختتام پر فتح کی خوشخبری لیے آپؐ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہؓ جب

۳ مولانا محمد علی جوہر خلافت کے احیا اور بقا کی تحریک میں انگریز کے ہاتھوں جیل میں قید تھے اور اُن کی بیٹی مرض الموت کے آخری مراحل میں تھی، اُس کی شفا سے ڈاکٹر زمایوس تھے، مولانا نے انگریز سے اُس کی عیادت کے لیے رہائی کی درخواست کرنا گوارا نہ کیا اور اپنے اللہ سے کہا کہ "گر شفا تجھ کو نہیں منظور ہم کو بھی نہیں منظور"۔ اور بیٹی باپ کی غیر موجودگی میں مر گئی۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ اُنھی ایّام میں کمال اتاترک، مسلم امت کے ملحد فوجی حکم رانوں میں سے ایک نے خلافت ختم کرنے اور اسلامی شعائر کو دفن کرنے کا اعلان کر دیا، یہاں تک کہ اذان اور قرآن پر بھی پابندی لگ گئی۔

مسجدِ نبوی کے قریب پہنچے تو کوئی خبر سنانے سے پہلے اُنھیں جنت البقیع کے داخلے پر وہ غم زدہ خبر مل گئی جس کا دھڑکا لگا تھا، عثمان بن عفانؓ اور اسامہ بن زیدؓ رقیہ رضی اللہ عنہا بنتِ محمد ﷺ کو سپردِ خاک کر کے واپس آ رہے تھے۔ نبیؐ ہونے کے باوجود آپ ﷺ آخر گوشت پوست کے ایک انسان ہی تھے اور ایک کامل انسان کی مانند دردِ دل سے آشنا دردمند انسان تھے۔ بدر سے واپسی کے بعد رسول اللہ نے جو چند کام اوّلیّت دے کر انجام فرمائے اُن میں ایک رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے جانا تھا۔

رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت رسول اللہ ﷺ کی پہلی بیوی ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد خاندانِ نبیؐ میں دوسرا بڑا سانحہ تھا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا بہن کی موت پر بہت افسردہ تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے رسول اللہ اپنی عبا کے کونے سے ان کے آنسو خشک کرنے کے ساتھ ساتھ تسلی کے کلمات فرما رہے تھے۔ اس سے قبل آپؐ نے مرنے والوں پر نوحہ و ماتم کرنے کی جو ممانعت فرمائی تھی اس سے یہ غلط تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ مرنے والے پر رویا ہی نہیں جا سکتا۔ جب آپؐ قبرستان سے واپس آئے تو عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی جو مستورات کو غصہ بھری آواز میں بدر کے شہیدوںؓ اور رقیہؓ کی موت پر رونے سے منع کر رہے تھے رسول اللہ نے فرمایا عمرؓ انھیں رونے دو۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ جو کچھ دل اور آنکھوں سے نکلتا ہے وہ اللہ اور اس کی رحمت کی جانب سے ہے اور جو کچھ زبان اور ہاتھ سے صادر ہوتا ہے وہ شیطان کی جانب سے ہے۔ آپؐ کے فرمان میں ہاتھوں سے مراد سینہ کوبی و چہرہ نوچنا اور زبان سے مراد ایسے احتجاجی کلمات ہیں جو اللہ کے فیصلے اور اُس کی تقدیر کو نارواقرار دیں اور شور و غوغا کے ساتھ رونا پیٹنا، جو راضی بہ رضا ہونے کی نشانی کے خلاف ہو۔ اُس دور میں عرب عورتیں اجتماعی طور پر ایک رسم کے طور پر اس طرح بین و ماتم کرتی تھیں۔

کعب بن اشرف کا مکہ کا ہنگامی دورہ

الہامی کتاب کی امین اُمتّوں میں بگاڑ سب سے زیادہ دین کے ذریعے معاش کمانے والوں کے ذریعے پھیلتا ہے، مگر صاحبانِ اقتدار، صاحبانِ سرمایہ اور صاحبانِ علم و دانش اور بیان و قلم بھی ہمیشہ اِن دین کے ٹھیکے داروں کو خرید کر اِن کے ذریعے اپنی من پسند دین کی تعبیرات کے ذریعے دین کا حلیہ بگڑواتے اور بزعمِ خود جنت کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔ تورات، انجیل اور قرآن تینوں الہامی کتب کی حامل امتوں میں اِنھی جیسے افراد کے ذریعے دین کی مٹّی پلید کی گئی۔ وہ لوگ جن کو اللہ نے اقتدار، دولت اور دانش کے ساتھ حسن و جمال اور زورِ بیان سے

بھی نوازا ہو اور نفس اُن پر قابو پالے تو وہ شیطان سے آگے نکل جاتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں موجود یہودیوں میں ایک ایسا ہی فرد تھا، جس کی دولت ہی کا نہیں حسن اور شاعری کا بھی چرچا تھا، اس کے باپ کا تعلق مدینے میں رہنے والے عرب کے مشرک قبیلے طے کی شاخ بنو نبھان (قحطانیوں میں لخم کے بنی سماک کا ایک قبیلہ) سے تھا اور اس کی ماں یہودی قبیلہ بنی نضیر سے تھی۔ باپ کے بچپن ہی میں مر جانے پر اس کی پرورش یہودیوں کے درمیان ہوئی، فکری اور اعتقادی طور پر وہ یہودی تھا لیکن عربوں میں اُس کا اثر تھا، مشرک باپ کے بیٹے ہونے کی بنا پر وہ یثرب کے مشرکوں سے، دیگر یہود کی مانند زیادہ بے زار و متنفر بھی نہیں تھا۔ باپ سے ورثے میں ملی جائیداد اور کاروبار نے خوب فروغ پایا۔ اس کا محل مدینے کے جنوب میں بنو نضیر کی آبادی کے پیچھے واقع تھا۔

اِسے اسلام اور مسلمانوں سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ یہودی علما اور یہود کے مذہبی پیشواؤں کو اپنے خزانہ سے تنخواہیں دیتا تھا اور وہ اُس کے اشارے پر ناچتے تھے۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی شان دار فتح اور سرداران قریش کے بے دریغ قتل ہو جانے سے اس کو انتہائی رنج و صدمہ ہوا۔ جنگ کے نتائج سُن کر اس کی زبان سے یہ جملہ بے ساختہ نکلا کہ:

"کیا واقعتاً ایسا ہوا ہے؟ یہ عرب کے اشراف اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ اگر محمد (ﷺ) نے ان کو مار لیا ہے تو روئے زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے۔"

چناں چہ یہ بدر سے فاتح مسلم فوج کے واپس مدینہ پہنچنے سے قبل ہی قریش کی آتشِ انتقام کو بھڑکانے کے لیے تعزیت کے بہانے مکہ چلا گیا اور کفارِ قریش کے سرداران کے، جو بدر میں مارے گئے تھے اور جنہیں میدانِ بدر میں ایک کنویں میں پھینک دیا گیا تھا ایسے پر درد مرثیہ لکھے کہ جن کو سن کر سامعین سے بھری مجالس میں ماتم برپا ہو جاتا تھا۔ کعب یہ مرثیے قریش کو سنا سنا کر خود بھی زار زار روتا تھا اور سامعین کو بھی رلاتا تھا۔ مکہ میں ابو سفیان سے ملا اور اس کو مسلمانوں سے جنگِ بدر کا بدلہ لینے پر ابھارا اور کفار مکہ کے ساتھ خود بھی کعبہ کا غلاف پکڑ کر عہد کیا کہ مسلمانوں سے بدر کا ضرور انتقام لیں گے۔ یہ سارے کام اُس مدینے کے ایک شہری ہونے کے باوجود کیے جس کا ہر شہری ایک معاہدے کے تحت مدینے کی دشمن اور اُن پر حملہ آور تمام دشمن قوتوں سے جنگ کا پابند تھا۔ مکہ کے لوگوں کے دلوں میں ایک انتقامی جنگ کی آگ سلگا کر اس خیال کے ساتھ واپس لوٹ آیا کہ بغاوت کے جرم یعنی مدینہ کی ریاست کے خلاف دشمنوں سے ساز باز پر اُس سے وہاں کی حکومت کوئی باز پرس ہی نہیں کرے گی۔ اُسے یہ خیال ہی نہ رہا تھا کہ نبی ﷺ کے مدینے میں آنے کے بعد

طوائف الملوکی ختم ہو چکی ہے اور اب قبائلی لا قانونیت نہیں بلکہ ایک منضبط نظام رائج ہو چکا ہے جس کی تمام باشندوں کو پابندی کرنی ہے۔

مکے میں اس کی موجودگی کے دوران مشرکین نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارا دین تم لوگوں یعنی یہود کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا محمد [ﷺ] اور اس کے ساتھیوں کا؟ اور دونوں میں سے کون سا فریق زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ کعب بن اشرف نے اِس کے باوجود کہ مسلمان توحید و آخرت و ملائکہ اور سابق تمام انبیاء بشمول موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، جن کے یہود بھی علم بردار تھے، کعب نے آخرت کے انکاری بت پرستوں سے کہا: "تم لوگ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ اور افضل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اِن پر کیا خوب صادق آتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (۴: ۵۱)

"تم نے انھیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہیں۔"

واپس آنے کے بعد مدینے میں اپنی نازیبا، حیا باختہ اور گستاخانہ شاعری سے نبی ﷺ کو اور مسلمانوں کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور حد یہ ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خواتین کے بارے میں ناقابلِ گفتنی و سماعت بے ہودہ اشعار کہنے شروع کیے اور عوام کو آپؐ کے خلاف اُکساتا پھرتا تھا۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپؐ کو قتل کرا دینے کا قصد کیا اور ایک ناکام کوشش بھی کر ڈالی۔ کعب بن اشرف کے یہ افعال ریاستِ مدینہ میں نافذ العمل اُس دستور کی خلاف ورزی تھے جس کو ریاست میں آباد تمام طبقوں اور قبائل نے بالاتفاق تسلیم کیا ہوا تھا۔ عملاً وہ ریاستِ مدینہ کے خلاف سامنے آئے بغیر ایک نوع کی گوریلا جنگ میں مصروف ہو گیا تھا اِس کے ساتھ وہی سلوک ہونا تھا جو برسرِ جنگ فریق کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چند ماہ بعد جو کاروائی کی گئی اُس کی روداد اُن اوقات کے دیگر تذکروں کے ساتھ اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاءاللہ

شہید کی بیوہ کا رشتہ

خلیفہ دوم امیر المومنین عمر بن خطابؓ کی بیٹی حضصہ رضی اللہ عنہا، جنھیں ام المومنین بننے کا اعزاز حاصل ہوا دس برس کی عمر میں نبوت کے چھٹے سال کے آغاز میں اپنے والد کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئی تھیں۔ اپنے پہلے شوہر

خنیس رضی اللہ عنہ کے ہم راہ پہلے حبشہ ہجرت کی اور پھر دوسری بار مدینے ہجرت کی سعادت بھی آپ کو ملی۔ اپنے شوہرِ ثانی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے باپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے رشتوں سے ماسوا یہ بھی آپ کا لیے باعثِ اعزاز ہے کہ آپ عثمان بن مظعون جیسے عظیم المرتبت صحابی کی بھانجی اور عبداللہ بن عمر جیسے عظیم فقیہ کی سگی بہن تھیں۔ حُسن کے ساتھ ذہانت، قوتِ فیصلہ، فصاحت وبلاغت اور علم ودانائی جیسی نعمتیں اللہ نے آپ کو فاروقِ اعظم سے وراثت میں منتقل کی تھیں۔ حفصہ رضی اللہ عنہا جب سن شعور کو پہنچیں تو آپ کا پہلا نکاح قریبی عزیز خنیس بن حذافہؓ سے ہوا، جو غزوہ احد میں داد شجاعت دیتے ہوئے شدید زخمی ہوئے اور انھی زخموں سے جاں برنہ ہو کر شہادت پائی۔

حضصہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ سال کی عمر میں ہی بیوہ ہو گئیں۔ داماد کی شہادت کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی کے نکاح ثانی کی فکر ہوئی، اُن کی بیٹی خوبصورت بھی تھیں اور نہایت شائستہ وسلیقہ مند بھی اور ان کو اپنے والد کی طرح لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا۔ دورِ جاہلیت ہوتا اور اپنا شہر اور قبیلہ ہوتا تو اُن کی بیٹی کے لیے ایک سے ایک رشتہ تھا، یہاں غریب الوطنی میں خاندان، شرافت و تعلیم کے اعتبار سے عمدہ رشتہ کس سے ہو؟ یہ عمرؓ کے لیے بہت اہم سوال تھا۔ بدر کی جنگ کے دوران ہی عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کی بیوی رقیہ بنت محمدؐ کا انتقال ہو چکا تھا، ظاہر ہے کہ اُنھیں تو شادی کی ضرورت تھی۔ لہذا وہ عثمانؓ سے ملے اور ان سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش ظاہر کی، انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا، چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی، تو انہوں نے صاف انکار کر دیا تو اپنے قریبی دوست ۔رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ کیا وہ اُن کے داماد بننا پسند کریں گے؟ انہوں نے خاموشی اختیار کی، عمرؓ کو ان کی بے التفاتی پر کچھ رنج ضرور ہوا، مگر وہ ابو بکرؓ کے معاملات سے آگاہ تھے کہ وہ اپنی خوش اطوار اور حسین و جمیل بیوی سے از حد مطمئن ہیں، مگر عمرؓ سوچتے ہوں گے کہ شہیدوں کی بیواؤں کو تو جلد از جلد بسانا بھی ایک مسلم سوسائٹی کا کام ہے، کیوں انکار کیا؟ پھر اُن کا یہ سوچنا بھی صحیح تھا کہ عثمان کے یہاں تو گھر والی نہیں ہے وہ تنہا تھے، پھر بھی انکار کیا۔

دونوں دوستوں کے طرزِ عمل نے عمرؓ کو آزردہ کر دیا۔ اُن کے خیال میں عثمان کو اپنی رائے بدلنے پر آمادہ کیا جاسکتا تھا، چناں چہ اُنھوں نے اپنی اس آزردگی کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے کہا کہ عثمانؓ کو عمرؓ سے بہتر خسر اور عمرؓ کو ابو بکرؓ سے بہتر داماد مل جائے تو..... عمر رضی اللہ عنہ کی ذہانت نے جان لیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بہتر سوائے ذاتِ گرامیؐ کے دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے، خوش ہو گئے اور زیر لب مسکرا دیے۔ کچھ دنوں بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا پر جب عمر رضی اللہ عنہ کو رشتہ دیا اور عثمانؓ رضی اللہ عنہ کا نکاح مرحومہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی چھوٹی

بہن ام کلثومؓ سے ہو گیا تو عمر رضی اللہ عنہ کے دل سے آزردگی نکل گئی، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ جب تم نے مجھے پیش کش کی تو میں رسول اللہ کی مرضی سے آگاہ تھا، خود رسول اللہ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا [خنیسؓ کی بیوہ] پر وہ رشتہ دینا چاہتے ہیں، اور میں آپؐ کی ذاتی بات تو تم کو نہیں کہہ سکتا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ہو گا کہ رسول اللہ تو شہدا کے بچوں اور اُن کی بیواؤں کے لیے ہمیشہ فکر مند رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس سے پہلے بھی اس طرح اپنے مرحوم دوست سکران، یکے از اوّلین مہاجرین حبشہ کی بڑی عمر کی بیوہ سودہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے کر سایہ عافیت مہیا کر چکے تھے جو آپ کی دوسری بیوی تھیں اور وہ بھی اپنی پوری طاقت و توانائی کے ساتھ گھر کی جانب سے بے فکر کر کے رسول اللہ کو اپنے مشن میں مصروف رہنے میں تعاون کر رہی تھیں۔ انھوں نے ہی خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کو اپنی سرپرستی میں لیا اور شادیاں کیں، انھی نے آپ کی نئی آنے والی بیویوں عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کو بھی ایک بزرگ سرپرست کی حیثیت سے سایہ عافیت میں لیا۔ امّ کلثومؓ اور حفصہؓ کے رشتے تو طے ہو گئے تاہم شادیاں عید کے بعد ہوئیں کیوں کہ لوگ ابھی جنگ بدر کے زخموں ہی کی مرہم پٹی میں مصروف تھے۔

عیدالفطر اور صدقۃ الفطر کا جاری ہونا اور فرضیتِ زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رمضان کے روزوں [۴] کے شکرانے کے طور پر عیدالفطر کا تہوار عطا کیا اور دورانِ رمضان روزوں میں جو کوتاہیاں ہو جاتی ہیں اُن کے کفارے اور تدارک کے لیے صدقہ فطر کا حکم دیا۔ اس گفتگو کو پہلی عیدالفطر اور صدقۃ الفطر کی فرضیت کی خبر پر ختم کرتے ہیں، اس طرح ۲ ہجری کے رمضان تک کی تمام تفصیلات آ گئیں۔

ہجرت مدینہ سے پہلے یثرب کے لوگ دو تہوار مناتے تھے، جن میں وہ ہلے گلے، ناچ گانے اور دیگر لہو و لعب میں مشغول رہتے۔ اللہ نے اپنے نبیؐ کی وساطت سے اُن کو دینی مزاج کے مطابق ایک نیا تمدن عطا کیا جس میں ہر معاشرتی سرگرمی میں دنیا پرستانہ فکر کے مقابلے میں اُخروی کامیابی کو اِس طرح محور بنایا گیا کہ تمام انسانی داعیات کی تسکین بھی ہوتی رہے۔ تمام انسانی معاشروں میں مختلف وقفوں سے سال میں ایک، دو یا زائد تہوار

۴ رمضان کے روزے ایک ماہ قبل شعبان میں فرض ہو چکے تھے، دیکھیے کاروانِ نبوت، ۱۲۸واں باب، جلد ہشتم صفحہ ۹۸

ضرور ہوتے ہیں چناں چہ رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مدنی زندگی کے دوسرے برس سے سے عیدین کا مبارک سلسلہ شروع کیا۔ سنن ابی داؤد کی حدیث کے مطابق انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ والوں کے لیے دورِ جاہلیت میں دو تہوار کے [خوشیاں منانے کے] دِن ایسے تھے جِن میں وہ لوگ کھیل کُود کرتے تھے [یہ دو دِن نوروز اور مہرجان تھے]۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [قَدِمتُ عَلَیکُم وَلَکُم یَومَانِ تَلعَبُونَ فِیهِمَا فَإِنَّ اللّٰهَ قَد أَبدَلَکُم یَومَینِ خَیراً مِنهُمَا یومَ الفِطرِ وَیَومَ النَّحرِ] میں جب تُم لوگوں کے پاس آیا تو تُم لوگوں کے لیے دو دِن تھے جِن میں تُم لوگ کھیل کُود کرتے تھے، اللہ نے تُم لوگوں کو اُن دو دِنوں کے بدلے میں اُن سے زیادہ خیر و برکت والے دو دِن؛ یوم الفِطر اور یوم الاضحیٰ عطا کر دیے ہیں [مُسند احمد/ جلد ۳/ صفحہ ۲۳۵، ۱۷۸، سلسلہ الاحادیث الصحیحہ حدیث ۲۰۲۱]

علما کے درمیان معروف بات یہی ہے کہ زکوٰۃ سنہ ۲ ہجری میں رمضان کے روزوں سے قبل فرض ہوئی اور اگر مان لیا جائے کہ اس سے قبل فرض ہو چکی تھی تو اس پر کوئی اختلاف نہیں کہ زکوٰۃ کے مختلف نصابوں کی تفصیلات ۲ ہجری ہی میں متعین کی گئیں۔[جیسا کہ در مختار میں وارد ہے کہ: فُرِض بعد صرف القبلة إلى الكعبة لعشر في شعبان بعد الهجرة بسنة ونصف إلخ وفُرِضت في السنة الثانية قبل فرض رمضان]- اس طرح دیکھا جائے تو سنہ ۲ ہجری نبی اکرم ﷺ کے مشن میں انتہائی سرگرمی اور اسلامی تمدن اور معاشرے کی تشکیل میں دوسرے تمام سنون میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ قتال (جہاد)، روزے، اور زکوٰۃ اسی برس فرض ہوئے، مکہ میں نبوت کے روزِ اوّل سے توحید و رسالت کے علاوہ صرف نماز اسلام کے اراکین میں شامل تھی۔ پانچ اوقات کی نماز معراج کے موقع پر فرض ہوئی تھی اور حج سات برس بعد سنہ ۹ ہجری میں فرض ہو گا[۵]۔

مدنی زندگی کے دوسرے برس کی اہمیت

صدقۃ الفطر، عیدین، وصیت، نکاح طلاق، وراثت اسی برس متشکل ہوئیں۔ بقرہ، آلِ عمران، النساء، طلاق، الحج اور محمد جیسی دینِ اسلام کی صورت گری کرنے والی سورتیں اسی برس کی برکت ہیں۔ ایمان بالآخرۃ، توحید اور رسالت کے عقائد کی آبیاری کے لیے مکی زندگی کے دوسرے برس کو جو اہمیت حاصل ہے

۵ مصنف خود بھی تصور میں کاروان کے ساتھ واقعات و حوادث سے گزر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ قارئین بھی وہیں پہنچ جائیں اور کم و بیش ڈیڑھ ہزار برس پرانے اوقات اُن کے لیے زمانہ حال بن جائیں، چناں چہ جب معراج کا ذکر ہو رہا ہے تو حج کی فرضیت تو مستقبل کا معاملہ ہو گیا!

وہی دینِ اسلام [کُل نظامِ زندگی] کی صورت پذیری میں مدنی زندگی کے دوسرے برس کو حاصل ہے۔

اس برس میں ایک اسلامی حکومت اپنی وسیع شکل میں بڑی حد تک قیام پذیر اور مستحکم ہوئی۔ جو لوگ دین کا اسلامی حکومت کا یا کہیے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا غیر مسلم ممالک میں قیام یا مسلم ممالک میں احیا چاہتے ہیں اُنھیں دقتِ نظر سے اِس کے دورِ اوّل میں نبی ﷺ کے ہاتھوں وجود میں آنے والے اور اُس کو نشو نما مہیا کرنے والے عناصر و عوامل کا جائزہ لینا ہوگا۔ اِن عوامل اور عناصر کے بغیر یہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔ خصوصاً جب اکثریتی اور کافی مقامات پر ستّر فی صد سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی والے ممالک میں احیائے اسلام کا کام درکار ہو۔

مسلمانوں کو پہلی مرتبہ ایک تہوار کا تحفہ

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ انتہائی احسان و کرم تھا کہ اُس نے اس مرتبہ بدر کی شان دار فتح کے چند روز بعد یکم شوال کو خوشی منانے کا دن، عیدالفطر مقرر کر دیا، مسلمانوں نے اپنی زندگی میں پہلی عید جو منائی وہ شوال ۲ھ کو فتح بدر کے چند دن بعد کی بات ہے۔ یہ کوئی خوشگوار اتفاق نہیں تھا بلکہ یہ ایک علیم و حکیم اور قادر مطلق کی منصوبہ بندی اور مرضی کا ایک ادنیٰ اظہار تھا اور بندوں کی جانب سے روزوں کا شکرانہ تھا، جس میں فتح بدر کا شکرانہ بھی شامل ہو گیا تھا۔ اسی برس شعبان میں جب روزے فرض کیے گئے تھے اُس وقت یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اِن کی تکمیل پر تم کو ایک تہوار منانے کا موقع ملے گا بلکہ روزے از خود ایک شکرانے کا منبع تھے، اب جب رمضان ختم ہو رہا تھا اور روزوں کے ساتھ خون کا ایک دریا بھی مسلمان عبور کر آئے تھے معلوم ہوا کہ روزوں کو فرض کرنے والی دو آیات میں سے دوسری [آیہ ۱۸۵] تو گویا نویدِ عید لیے ہوئے تھی۔

☆☆☆☆☆

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ
فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ
وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ
الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ
مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَ
مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ
یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ
لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ
لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

رمضان کا مہینہ، ایسی بڑی برکت اور عظمت والا ہے کہ اِس میں قرآن نازل کیا گیا جو نوعِ انسانی کے لیے رہ نما ہے۔ وہ قرآن، جو کھلے دلائل سے ہدایت کو اور حق و باطل کے فرق کو واضح کرتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو اس مہینے کو پائے، وہ لازماً اس پورے ماہ کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے اور چھوٹ جانے والے روزوں کی دُوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔ اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تاکہ تم روزوں کی مقررہ تعداد پوری کر سکو اور وہ ہدایت جو تمھیں قرآن کے ذریعے ملی ہے اُس کے اظہار پر اللہ کی کبریائی بیان کرو۔ شاید کہ اِس طرح تم شکر گزار بنو